© rasailojaraid.com

سے دہلا نہیں کرتے اور نہ پریشان ہو کر جی چھوڑ بیٹھتے ہیں جیسے کہ قرآن نے کہا کہ: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ نہ سہم جاؤ، نہ ملول ہو جاؤ، تم ہی (بالآخر) برتر رہو گے، بشرطیکہ تم (ثابت کر دکھاؤ کہ) مومن ہو ــ تو جناب والا! جن لوگوں کو چیلنجوں کا سامنا کر کے کسی اصول کا جھنڈا بلند کرنا ہوتا ہے، ان کے دلوں کے دروازے ہمیشہ کے لیے ناامیدی پر بند ہو جاتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب جائزہ لو تو ایک جج کی طرح حالات کو دیکھو، ایک ریسرچ سکالر کی طرح ان کو مرتب کرو اور پھر ایک ایسے جرنیل کی طرح اپنی فتح یا امید کا راستہ نکالو جس کا نغمۂ جہاد یہ ہے کہ:

"صحرا است کہ دریا ست تہ بال و پر ماست"

جو امید صرف سلوگنوں کی جذباتیت سے زندگی لیتی ہے وہ اور چیز ہے۔ اصل امید وہ ہے جو حقائق کے شعور پر مبنی ہو۔ حقائق کے شعور سے گریز خطرے کی علامت ہے۔

خدا ہے اور خدا کا دین ہے تو پھر ناامیدی کی بلا کہاں سے آگئی؟ ایمان کی تو ساری کھیتی ہی امید کی کھیتی ہے۔ مگر من پرچاؤ اور خود فریب امیدیں یہاں نہیں ہوتیں، رنگین خوابوں کے غبارے یہاں نہیں ملتے، یہاں تو سرمایۂ امید اللہ کی رضا ہے، کامیابی زندگی کے امتحان میں کامیابی ہے اور مراد پھلوں اور پھولوں اور موتیوں اور حسن و جمال کی ایک فصل ہے جو ایک دن آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن جاتی ہے۔ مگر شرط یہ نہیں کہ کتنے دن میں؟ اسی نسل کے لیے یا اگلی نسل کے لیے، ایک ملک میں یا دوسرے ملک میں، ایک قوم کے مقدر میں یا دوسری قوم کے مقدر میں؟ دنیا ہی دنیا میں یا آخرت میں ــ بعض وفات دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ملتے ہیں۔ آخرت میں رنگ و نکہت کی ایک شاداب پھلواڑی نگاہوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی ہے۔

آج کل کے دور میں بعض حضرات کو جب یہ تصور دلایا جائے کہ ایک نسل کے شروع کردہ کارِ دین کا ظاہری نتیجہ دوسری یا تیسری نسل کو مل سکتا ہے اور کام کرنے والے کو اس کا حاصل آخرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نصیب ہوگا - تو بسا اوقات آدمی ظاہر تو نہیں کرتا مگر اندر سے اس کا دل مسوس کر رہ جاتا ہے - ہائیں! مرنے کے بعد؟ - اتنی دور؟ (ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِيۡدٌ) یہیں سے وہ بیماری استعجال شروع ہوتی ہے جو انسان پر یا جماعتوں پر دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ دین اور اس کے پروگرام اور اس کے طریق کار میں کچھ ایسے شارٹ کٹ نکالیں کہ جلد جلد کام بن جائے۔ کڑے اصولوں پر چل کر بات نہیں بنتی تو ان کے پیچ ذرا ڈھیلے کر دیے جائیں، ماحول کے مروجہ باطل تقاضوں کا دباؤ اگر سہارا نہیں جا سکتا تو پھر تحریک کی ریڑھ کی ہڈی میں ذرا اور لچک پیدا کر لی جائے، بعض غیر اسلامی رجحانات کو روکا نہیں جا سکتا تو ذرا اپنے کٹرپن کو کم کر لیا جائے دوسروں سے نظریاتی اختلاف قائم رکھ کر قوت نہیں بنائی جا سکتی تو مخالف نقطہ ہائے نظر والوں کے ساتھ محبت و دوستی کا تعلق بڑھا کر متحدہ مہم چلائی جائے - سیاسی کامیابی میں اگر دین کے اخلاقی تقاضے حائل ہوتے ہیں تو اخلاقی تقاضوں پر زور دینے والے دین داروں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنا کام کریں اور دین کی سیاسی خدمت کرنے والوں کو خدمت کی گاڑی چلانے دیں، اگرچہ خدمتِ دین کی اس گاڑی کے غلط رُخ پر چلنے سے خود دین مجروح ہوتا ہو -

---

استعجال ہمیشہ شارٹ کٹ تلاش کرتا ہے - آپ شارٹ کٹ سوچنے سے بچیے اور "فَاسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ" کو اصول بنایئے - جیسے میدانِ اُحد کے ناکے پر حضورؐ نے صحابہؓ کو مامور کر کے فرمایا تھا کہ تم اگر دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں تب بھی یہ ناکہ نہ چھوڑنا ---- اور انہوں نے ناکہ چھوڑ دیا - آپ بھی "فَاسۡتَقِمۡ" کی پوسٹ پر مامور ہیں - یہاں ذبح بھی ہو جائیں تو آپ کو پوسٹ نہیں چھوڑنی چاہیے - اور اگر دس پندرہ سال تک آپ ایک قدم بھی پوسٹ کو آگے لے چلنے کے قابل نہ ہوں، بلکہ اُلٹا کمانڈر آپ کو میلوں پھر پیچھے لے آئے تو بھی آپ کو اپنی پوسٹ پر اسی طرح اٹنشن رہنا ہے -

یہ ہے مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ جماعتِ اسلامی کا تصور اور طریق کار! یہ پسند نہ ہو تو کوئی اور کام دیکھیے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا کامیابی اور ناکامی اور امید اور ناامیدی کا سلسلہ تو اسے آپ قرآن، خصوصاً انبیاء کی سیرتوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

آخر حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے پیروؤں کے لیے ظاہری احوال میں کونسا سرمایۂ امید تھا؟ جو پاک لوگ مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں عذاب بھگت رہے تھے، ان کے سامنے کون سی ظاہری فتوحات کی گارنٹی تھی اور وہ بھی مقررہ وقت کی پابندی کے ساتھ۔ شہدائے بدر کو کیا معلوم تھا کہ ان کی شہادت کے لہو سے کس طرح ایک نئی دُنیا تعمیر ہو جائے گی۔ سادہ ترین پہلو دیکھیے، دُنیا نے یہودی دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک مار پٹائی، قید و بند، در بدری، اور ذلت، ہر طرف سے در پے رہتے، مگر انھیں کس نے خراب ترین غلامانہ احوال میں بھی اس امید پر قائم رکھا اور وہ اپنے مقصود کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ روس اور باقی دُنیا کے کمیونسٹوں کے حال پڑھ کر دیکھیں کہ آخر وہ کس امید کے نشے میں قیدِ تنہائی میں گھل گھل کر ختم ہوئے اور پھانسیوں پر چڑھ گئے۔ خود برصغیر میں ان کی تفصیلی داستان پڑھیے۔ آج بھی دُنیا میں جہاں جہاں وہ اذیتیں بھگت رہے ہیں، عبرت ناک سماں ہے، مگر ان میں کسی کی امید ختم نہیں ہوئی۔

امید کا سرچشمہ خارجی حالات نہیں ہوتے، اُمید کا اصل سرچشمہ آدمی کا اپنا دل اور ایمان ہوتا ہے۔ اسی ایمان کے سہارے ہم ۷۵ افراد پوری بے سروسامانی کے ساتھ دُنیا کا نقشہ بدلنے اُٹھے تھے۔ اور واقعی یہ یقین اس وقت بھی رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ ماسکو سے واشنگٹن تک کی تہذیبی زمین کا تختہ بدل دیں گے۔ مگر ہمارے یقین کے لیے کوئی "اجلِ مسمّٰی" ہمارے سامنے نہیں ہے وہ صرف خدا کے سامنے ہے۔ اسی ایمان کے بل پر ہم نے مولانا مودودیؒ کو پھانسی کا حکم سنائے جانے کی اذیت ناک عدالتی کارروائی دیکھی، ہم نے اخوان کے رقت آمیز حالات دیکھے، ترکیہ میں لادینی جبریت کے نیچے اسلامی قوت کے خون چکاں زخموں کو دیکھا — انڈونیشیا کی مسلم اکثریت کو ہم نے پنج شیلا کی دُھنائی مشین میں دُھنے جاتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سارے واقعات و احوال سے درد کی نئی نئی لہریں ضرور اُبھرتی رہیں، مگر اللہ کا شکر ہے کہ تحریک اور دین کے بارے میں ناامیدی کہیں سے نہیں اُبھرتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رفقائے من! اس کی ایک اہم وجہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے ذاتی احساسات و تجربات کو کبھی بیان نہیں کرنا چاہیے، مگر ضرورۃً میں اشارہ کرتا ہوں۔ مولاناؒ کی پھانسی کا حکم رجوع نا کام ہوا، ہو یا ایوب خاں کا مارشل لا، یا ۱۹۶۳ء کا حادثہ یا ۱۹۷۱ء کے انتخابات یا ملک کا دولخت ہونا زلزلہ افگن واقعات تھے۔ مجھے سونے سے پہلے دو تین گھنٹے سخت اضطراب رہتا، سوچ بچار کی مشین کے پہیے تیزی سے گھومتے اور آخر یہ مشین بھی جواب دے جاتی۔ تب دل مجھ سے گفتگو کرتا اور کہتا کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے، تم خدا کے ایک عاجز بندے ہو (کسی چیونٹی کی طرح)، تمہارا یہ سوچنا کہ فلاں چیز ہوئی تو کیوں ہوئی اور فلاں نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی، گویا اس میں تم خیر و شر کا فیصلہ کرنے والے بنتے ہو، حالانکہ تقدیر ساز اور فیصلۂ خیر و شر کرنے والا وہ ہے جس نے دنیا کو، پاکستان کو، بھارت کو، امریکہ کو، مشرقی پاکستان اور بنگلہ دیش کو، پی پی پی کو، صدر ایوب کو پیدا کیا ہے اور جو ان پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ بالکل برحق! پھر دل کہتا ہے کہ فرض کرو، کائنات کا مالک فیصلہ کرتا ہے کہ پورے ایشیا کو تہس نہس کر دینا ہے، تو تم کیا کرو گے۔ عجز کے ساتھ قبول کروں گا۔ اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم نہیں رہو گے تو؟ بالکل برحق! اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم اور تم جیسے داعیانِ حق یہاں سو سال تک کام کریں اور کوئی بڑا نتیجہ انہیں ظاہری پیرائے میں حاصل نہ ہو گا، بلکہ ان کے بعد ایک قوت آئے گی، وہ دو چار سال ہی میں پچھلا سارا ورثہ سمیٹ لے گی تو اس بارے میں تمہاری پسند و ناپسند کیا ہے؟ میں ایک بندۂ ناچیز کی حیثیت سے اس فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری آنکھیں روئیں کہ ان پر قابو نہیں، مگر میرا دل خدا کے ساتھ ہو گا۔ اور میرا ایمان خدا کے نور سے جگ مگ کرے گا۔ آخر میں دل پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ، خارجی واقعات کے متعلق مناسب و ممکن تدابیر کرنے کے بعد اگر معاملات تمہاری مرضی کے مطابق نہیں چلتے تو بھی تم اپنا ایمان، اپنے اصول، اپنی قدریں اور اپنی امید برقرار رکھو گے؟ میں بڑی رقت آمیز شرمندگی کے ساتھ جواب دیتا ہوں کہ ان شاء اللہ، میں ایسا ہی ثابت ہوں گا۔ تب دل نے کہا، یہی ہے مومن ہونے کی حقیقت، اور یہ حقیقت اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو مل جائے تو تمہارے ہی لیے ہے ـــــ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ! بس اس داخلی مکالمے کے بعد اضطراب کے طوفان ہمیشہ ختم ہو گئے اور مجھ کو نیند آ گئی۔ حالانکہ میرے سینکڑوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھی سو نہیں سکے، بلکہ روتے رہے ہوں گے۔

تو نیشنل لیبر فیڈریشن کے صدر جناب رحمت اللہ صاحب! یہ ہے دین کی بات اور ایمان کی بات اور امید کی بات!

خدا سے دعا کیجیے کہ آپ کو بھی، مجھے بھی اور دین کے ہر محب اور خادم کو بھی یہ نور مل سکے۔

آپ اگر اس کو تصوف کہیں تو محض غیر محتاط طریق سے استعمال شدہ کسی اصطلاح کو چسپاں کرنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور اگر یہی تصوف ہے جو میں نے بیان کیا ہے تو یہ تو تمام انبیاء کی بارگاہوں میں ملے گا اور تمام قرآن میں دکھائی دے گا۔ مگر یہ رسمی اور نمائشی تصوف نہیں ہے۔ یہ دل کا ایک چراغ ہے۔ نہ دل کسی کو دکھایا جا سکتا ہے، نہ دل کا چراغ، ہر کسی کا اپنا اپنا دل، اپنا اپنا چراغ، اپنا اپنا نور!!!

اب اس لمبے جملۂ معترضہ کو چھوڑ کر چلیں اصل بات کی طرف۔ میں نے ایک خصوصی سلسلۂ اشارات اشاعت مارچ سے شروع کیا۔ بیچ میں سلسلہ ٹوٹا، پھر بحال ہوا۔ اور ابھی کچھ حصہ باقی ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر ایک خیال تو یہ آیا کہ اگر کسی تحریر سے دوستوں پر مایوسی کے جراثیم کا حملہ ہو رہا ہو تو اسے جاری نہ رکھا جائے۔ ادھر صوبہ سرحد کے دو ممتاز رفقا مجھ سے ملے اور انہوں نے مذکورہ اشارات کی نہ صرف تعریف کی بلکہ اس سلسلے کی بحث کو جاری رکھنے کے لیے کہا۔ میں نے بلا نام لیے ذکر کیا کہ ایک خط ایسا ملا ہے کہ اسے پڑھ کر ارادہ بدل رہا ہوں۔ انہوں نے اس سے مجھے روکا اور کہا کہ ذرا سی ضروری وضاحت کر کے سلسلۂ کلام جاری رکھیے۔ میں نے "ذرا سی ضروری وضاحت" کے بجائے پورا ایک فلسفہ آپ کی تسکین کے لیے لکھ ڈالا۔

اب میری کوشش کا مقصد سنیے۔ جو کسی قافلے کے پیش آہنگ یا کسی فوج کے پائلٹ دستے کی طرح آگے جا کر سارے جغرافیائی احوال کو دیکھ کر اس کی رپورٹ اہلِ ایمان کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھنا چاہتا ہوں۔ بعد ازاں میں یہ بھی گذارش کرنے کا عزم رکھتا تھا کہ قارئین پر واضح کر دوں کہ ایمان اور کامیابی کا راستہ کدھر سے کدھر کو نکل سکتا ہے۔

اِس سلسلے میں میں نے واضح کیا کہ کس طرح دولت اور جاگیروں والے طبقے نے ہمیں جکڑ رکھا ہے، کس طرح اربابِ اقتدار ہمارے کندھوں پر سوار ہیں، کس طرح ہمیں بیرونی قرضوں کی بھاری زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، کس طرح فضا لادینیت کے لیے ہموار کی جا رہی ہے۔ کس طرح مخالفِ اسلام قوانین و ثقافت کو ہم پر لادا جا رہا ہے۔ کس طرح سپر پاورز اور خود ہمارے اندر کے سازشی اور تخریبی عناصر اور ادارے ہمیں ذہنی، لسانی، علمی، اخلاقی اور سماجی اور اقتصادی غلامی کا شکار بنا رہے ہیں۔

ان چیزوں کی طرف دیکھنے سے اگر ہمیں ڈر آتا ہے تو ہمیں آنکھیں بند رکھنی چاہییں اور کانوں میں صرف تسکین بخش عوامی جملوں کو داخلے کی اجازت دینی چاہیے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حق کے سپاہیوں کو خوب غور سے اردگرد کے حقائق کو دیکھنا چاہیے، ان کا تجزیہ کرنا چاہیے اور پھر ان کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر اپنی راہِ مراد، جادۂ دعوت یا طریقِ انتخاب یا نظامِ جہاد کی اسکیمیں مرتب کرنی چاہئیں۔

آپ نے دیکھا کہ شریعت بل مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود زیریں ایوان میں پاس نہ ہو سکا۔ اس کے کچھ اسباب ہیں۔ آخر مسلمانانِ کرام نامسلمانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ان چیزوں کا صحیح جائزہ لیے بغیر چند محبِ دین ممبران نے جمہوریت کے شروع ہوتے ہی شریعت بل ایوان میں رکھ دیا۔ اُدھر بے نیازی حد سے اس طرح گذری کہ رائے شماری اور ڈویژن تک کی نوبت نہ آئی۔ اور وہ اگر آ جاتی تو ہمارے سروں پر اور بھی سنگِ سخت گرتا۔

شریعت بل کے بارے میں آپ کو مایوسی اس لیے ہوئی کہ آپ نے حالات کا صحیح تجزیہ نہیں کیا تھا۔

بالکل اسی طرح حالات کی پوری تصویر سامنے رکھے بغیر جب اقدامی خاکے بن جاتے ہیں تو فوجوں یا قافلوں کو دیواروں سے سر پھوڑنے پڑتے ہیں۔

پس یقین رکھیے کہ میں نقشۂ احوال پیش کرنے کے بعد جادۂ امید کی پوری پوری نشاندہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروں گا اور ٹھیک ان واضح خطوط پر کروں گا جو خدا اور رسول نے بشکل دین عطا کیے ہیں اس دین کی پابندی میں اگر ساری عمر ظاہری ناکامی میں گذر جائے تو بھی میرا نقطۂ امید رضائے الٰہی ہوگی اور اگر دولت اور اقتدار اور فنون قاہرہ اور علوم عالیہ سے مجھے اور تحریک حق کو مالامال کر دیا جائے تو بھی میرا مرکزِ امید رضائے الٰہی رہے گی۔ رضائے الٰہی دنیا میں، اور رضائے الٰہی آخرت میں۔

اب ذرا توجہ منعطف کیجیے اس خاص تازہ سیاسی صورت کی طرف جو اسمبلیوں کی برطرفی سے پیش آئی ہے۔ ایسے پیچیدہ احوال کا جائزہ لیتے ہوئے میں خوفِ خدا کے تحت بے جا جانب داریوں اور بے جا مخالفتوں اور نفرتوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ خالی سیاست، یا دین کے مقابلے میں اپنی حدود سے بڑھی ہوئی سیاست تو کبھی حالات کی جج نہیں بن سکتی۔ اس ملک اور دنیا میں صرف وہی قلیل عنصر مختلف قوتوں کی نزاعات اور تصادموں میں عدل کی ترازو ہاتھ میں لے کر حق و صداقت کی متوازن بات کہہ سکتا ہے، جو طریق انبیاء و صحابہ کے نورانی جادہ پر دوڑ کر نہیں تو کم سے کم گھسٹ گھسٹ کر بڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، اور جو اپنا سینہ و سر اور دل و جگر دے کر بھی اس پر بضد ہو کہ ہم سے اسی جادہ فلاح و سعادت پر چلنا ہے۔

سو خدا کے بہت سے بندگانِ عاجز کے ساتھ ان کا یہ کمزور ترین ساتھی بھی اپنی رائے یہ رکھتا ہے کہ خدا کا ایک قانون ہے جو اپنا عمل کر رہا ہے، یعنی تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ دوسری رائے میری یہ ہے کہ گو خدا نے اپنے تمام بندوں میں جسمانی، روحانی، دماغی اور اخلاقی لحاظ سے کئی کئی فرق رکھے ہیں مگر ہمارے ملک کی سیاست کا سارا کارخانہ جن عناصر کے بل پر چل رہا ہے ــــ وہ حکومتی گروہ ہو یا اپوزیشنی گروہ، وہ قصرِ وزارت ہو یا ایوانِ صدارت، وہ سینیٹ ہو یا عوامی اسمبلی، انتخاب میں آ جانے والی پارٹیاں ہوں یا باہر رہ جانے والی پارٹیاں، مذہبی تفرقوں پر مبنی جتھے ہوں یا جاہلی عصبیتوں پر قائم سیاسی دھڑے ــــ یہ پورے کا پورا آوا، آج ہی سے نہیں، غلام محمد کے دور سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بگڑا ہوا ہے اور دور بہ دور اپنے بگاڑ میں ترقی کرتا گیا ہے۔ جناب صدر ضیا کا دس سالہ دور دیکھتے ہیں تو کانوں کو ان کے خوبصورت الفاظ اور اصطلاحات (جن میں کبھی تضاد بھی جلوہ گر ہوتا ہے) سنائی دیتے ہیں۔ اور آنکھوں سے معاشرے کا بلیک بورڈ دکھائی دیتا ہے، جس کی سیاہی ہر سال بڑھتی چلی گئی ہے، صرف چند سفید چھینٹیں متفرق اجزائے اسلامیت کی اس پر پڑی تھیں وہ بھی دھندلا کر سیاہی کے سمندر میں گھل گئیں۔ باقی رہے جوڑ توڑ کے معاملات، سو مغربی سیاست کا یہ لازمہ ہیں۔ گلہ کیا — اب ذرا دوسری طرف بھی نظر ڈالیں کیا کارنامہ ہے ہمارے اساتذۂ جمہوریت کا؟ کون سے گل انہوں نے اس اجڑے چمن میں کھلائے ہیں؟ پاکستان کی روحِ پاکستانیت کو ابھارنے کے لیے انہوں نے قوم پر کیا احسانات فرمائے ہیں؟ یہی نا کہ اسلام کا نام لے لے کر انہوں نے ذرائع ابلاغ، تعلیم، معیشت، دفتری نظام، ثقافتی سرگرمیوں اور ماڈرن خواتین کی معرکہ آرائیوں کے ذریعے ماحول کو سیکولرازم کے لیے سازگار کیا اور ایوان میں شریعت بل کے بارے میں توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ یہ دین سے بھاگنے والی سیاست کے علمبردار جو روپیہ اچھالتے پھرتے تھے اور عہدوں کے ذریعے ضمیر اور دماغ اور برادریاں خرید رہے تھے، کیا ضیاء الحق کے ہٹ جانے کے بعد یہ فرشتے بن کر سامنے آتے۔ میرا خیال ہے کہ ملک میں لادینیت، خیانت اور تخریب کاری کا طوفان اور بھی بڑھتا۔ ان کے دم سے تو ایک ایسی خوفناک جمہوری آمریت تشکیل پا رہی تھی کہ جو جنات کی طرح نگاہوں سے مخفی رہ کر ہمارے اصولوں اور قدروں کو تباہ اور ہم کو روز بروز بے بس کرتی۔

حکومت کی اکثریتی پارٹی کے وابستگان نے بعض اوقات اخلاق یا اسلام کی بات کرنے والوں کو تابڑ توڑ فقرہ بازیوں سے سخت پریشان کیا ہے۔

کیا مصنوعی قسم کی مسلم لیگ اور اس میں مختلف نظریات اور اخلاق کے ساتھ جمع ہونے والے لوگ قوم کو نوازشات سے بہرہ مند کر سکتے تھے۔ میرا تو خیال ہے کہ شاید ان کے ہاتھوں سکندر، ایوب اور یحییٰ بھٹو کے دور سے زیادہ سنگین حالات رونما ہوتے۔

سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس پورے معاشرے میں قابلِ احترام، بااصول، دیانت دار،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب صلاحیت، محب پاکستان اور فدائی اسلام قسم کے سیاست دان نظر نہیں آتے، جو اکھاڑے میں کوئی مقام رکھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسے پانچ قائدین عملی سیاست کا روں اور سیاست بازوں میں سے نسل کے دکھا دے تو میں یقین کرنے کو تیار ہوں کہ یہ ملک نہ صرف خطرات سے بچ نکلے گا بلکہ ترقی کرے گا۔

میں جماعتی فیصلوں کا ساتھ دیتے ہوئے ذاتی رجحان یہ رکھتا ہوں کہ ہمیں ان عناصر سے امیدیں لگانے کے بجائے ان سب کے لیے با اصول دینی سیاست کی دعوت لے کے نکلنا چاہیے۔ ان لوگوں کو دوست اور اتحادی بنانے کی مساعی کے بجائے ان تک خادم محمدؐ کی پاکیزہ سیاست کا پیغام پہنچانا چاہیے۔

دوسرے کسی ایک فریق کے ساتھ ہو کر کسی دوسرے فریق کو گرانے کی کوشش کوئی مثبت تعمیری سیاست نہیں ہے۔ پاکستان بننے سے لے کر ملک کے تمام اہل سیاست اسی منفی سیاست کی ڈگر پر چلے آرہے ہیں کہ فلاں کو ختم کرنا ہے، بس پھر بیڑہ پار ہے۔ مگر ایک فلاں کے ہٹنے کے بعد دوسرا فلاں آجاتا ہے۔

اصل میں اس خاص طرز کی جمہوری و انتخابی سیاست کے بارے میں یہودیوں نے پروٹوکول میں اپنا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔ اور سپر پاورز نے بھی ہمیں ایسے چکروں میں ڈال رکھا ہے کہ کبھی مارشل لا ہے، کبھی جمہوریت، کبھی ایوان برطرف، غرضیکہ قانونِ ضرورت نت نئے رنگ بدلتا ہے اور ہمیں کسی اصولی و اخلاقی طرز پر چلنے ہی نہیں دیتا۔ مغربی جمہوریت کے ہنڈولے کے چکروں سے اگر اپنے آپ کو اصول و اخلاق کے بل بوتے پر بچایا جا سکے تو سلامتی کے لیے راستہ باقی رہے گا۔ ورنہ ہنڈولے کے دو چار چکر اگر راست فکر لوگوں کے سروں کو گھمانے میں کامیاب ہو گئے تو مثبت دینی و اخلاقی سیاست اور اس کے اعلیٰ درخشاں مقاصد کبھی اپنا مقام نہ بنا سکیں گے۔

میرے نزدیک جب تک موجودہ سیاسی ڈھانچہ قائم تھا تب بھی اسلامی، اخلاقی اور معاشی لحاظ سے بحران تھا، ٹوٹ گیا ہے تو اب بھی یہ سرگونہ بحران ہے، اگر صدر ضیاء بھی چلے جائیں تو بھی یہ بحران برقرار رہے گا۔ اس ملک کو بحرانی حالت سے صرف وہ اسلامی عناصر نکال سکتے ہیں، جو اپنے اصولوں اور معیارات میں اپنے نقطۂ نظر اور اخلاقی رویوں میں کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقتی اُفت وخیز کے تحت فرق نہ آنے دیں، نیز جو حکومتی اور اپوزیشنی نقطہ ہائے نظر سے بالاتر ہوں۔ عام سیاست جس کا چلن بازار میں ہے، اسلامی دعوتی سیاست اس سے بہت بالاتر اور پاکیزہ ہے۔

میری تمنا ہمیشہ یہی رہی ہے کہ کاش ایسے سیاسی اشخاص اور گروہ ہوتے جن کے ساتھ کم از کم ہمارا ایک بنیادی کلمۂ سواء ہوتا ہے جسے نصب العین بنایا جا سکتا ہے اور کاش کہ الحاد سے بچے ہوئے اور نظری عملی لادینیت کی آلودگی سے پاک ایسے لوگ مل جاتے جن کے سامنے بیٹھنے میں مجھے اور ہر داعیٔ اسلام اور خادمِ اسلام کو بہتری کی اُمیدیں ہو سکتیں۔ کاش کہ ایسے گروہ یہاں ہوتے جو مسٹنڈوں کی ہاؤ ہو اور غنڈوں کی مار دھاڑ اور قانون شکنیوں سے محفوظ ہوتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ چلنے میں شاید خادمانِ دین کی عزت کا پرچم نہ جھکتا، مگر کیا کریں معاشرے کا صحرا سرکنڈوں اور جھڑبیریوں کے سوا کچھ اُگاتا ہی نہیں ہے۔

خدا کو استقامت رکھنے والے لوگ درکار ہیں۔ ڈٹ کے رہنے والے لوگ۔ قدم جما کے کھڑے ہونے والے لوگ۔ غیر متبدل پیمانے رکھنے والے لوگ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

لیجیے ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہو گیا —— نفاذ شریعت آرڈی ننس ۱۹۸۸ء کا نفاذ۔

مگر کاش کہ صدر ضیاء کو اپنی بظاہر مضبوط، مگر نہایت ہی نازک پوزیشن کا اندازہ ہوتا اور وہ کوئی ایسی جاندار مثبت چیز لا سکتے کہ دینی اور عوامی حلقوں میں اچھے جذبات اُبھر آتے۔ ورنہ جمہوریت کے علمبرداروں کی اکثریت تو لادینیت پسند، مخالفِ نفاذِ شریعت اور آزاد کھلے معاشرے کی خواہاں ہے۔ ان کی اکثریتی صفیں تو پہلے ہی سے مخالف ہیں۔ دوسری جانب جو محبِ دین عناصر تھے اس بے جان آرڈی ننس نے اضحوکہ بنا کر ملحدین منحرفین، مغرب پرستوں اور سوشلسٹوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے بودے موقف پہ کھڑے ہو کر ملک وملت کا کوئی کیا بھلا کر سکتا ہے۔ کیوں نہ لوگ اپنے اپنے اُصولی پروگراموں کے محاذوں پر حسبِ سابق مستقیم رہ کر معرکہ آرا رہیں۔ یہ بے جان آرڈی ننس تو اور بھی زیادہ اکساہٹ مخالفینِ دین کے جذبوں میں پیدا کرے گا اور

© rasailojaraid.com